تعارف وتبصرہ

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی*

"کتاب العروج"
تہذیب کے قرآنی سفر کا ایک چشم کشا تذکرہ

اب سے کوئی سات دہائی پہلے لبنان کے ایک مسلمان ادیب اور مصنف امیر شکیب ارسلان نے ایک مختصر سی کتاب لکھی تھی: لماذا تأخر المسلمون وتقدم غيرهم (مسلمانوں کے زوال اور دوسروں کے عروج کے اسباب)۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ سوال آج تک مسلمانان عالم کے تعاقب میں ہے اور ان کے پڑھے لکھے حلقہ کے زیر غور ہے مگر اس کے جوابات جو مختلف علماء نے دیے ہیں، ان میں جواب کم اور مزید سوال زیادہ کھڑے ہوتے ہیں۔ راشد شاز نے اس مسئلہ کو بہت گہرائی سے لیا ہے اور ان کی اکثر تحریروں میں یہ تجزیہ راہ پاجاتا ہے۔ راشد شاز ہمارے زمانہ کے ایک عہد ساز مفکر ومصنف ہیں۔ عربی، انگریزی اور اردو میں ان کی متعدد فکر انگیز کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ فقہ ظاہر (فقہ) اور فقہ باطن (تصوف)، روایت پرستی، ملوکیت، مشائخیت اور استبداد فکر کے حجابات میں حقیقتِ اسلام کچھ چھپ سی گئی ہے کہ اس کی تہ بہ تہ گرد کو جھاڑنے اور اس کی بازیافت کے عمل میں پوری پوری زندگیاں لگانے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی تفصیل سے ان اسباب کا جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے جن کے باعث اسلام وقت کی غالب تہذیب بن گیا اور پھر یہ کہ وہ کیا اسباب وعوامل ہیں جن کے باعث آج امت مسلمہ یوں لگتا ہے جیسے معزول ہو کر رہ گئی ہو۔

راشد شاز کی تازہ بتازہ کتاب اسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ کتاب العروج کو بجا طور پر تہذیب کے قرآنی سفر کا ایک چشم کشا تذکرہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب محض ایک تاریخی بیانیہ نہیں، گو اس میں ایک عظیم تاریخ کا پورا لوازمہ موجود ہے۔ اس کے پہلے باب میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ الٰہی تصور حیات کے جلو میں جو تحریک اکتشاف قرآن کے دیے ہوئے علمی منہج سے برپا ہوئی، جو وحی ربانی اور انفس وآفاق میں غور وفکر سے عبارت تھا، اس نے انسانی ذہن کو استقرائی طریقہ نکال کر اسے استخراجی منہج سے آشنا کیا اور انسانی عقل کو تجربہ ومشاہدہ اور تحلیل وتجزیہ کی راہ پر ڈال دیا جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے روم اور ہند و یونان کے قدیم علوم کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ یوں کہیے کہ انسانی تہذیب کی کل جمع پونجی تحلیل وتجزیہ کی میز پر لے آئی گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے عالم اسلام کا وسیع وعریض خطہ اکتشافی تمدن کی

mohammad.ghitreef@gmail.com*

ضیاباریوں سے جگمگا اٹھا۔

الکندی، ابن سینا، ابوبکر زکریا رازی، ابن الہیثم، عباس بن فرناس، الخوارزمی، جابر بن حیان، البتانی، ابوریحان البیرونی، ابن رشد، ابن نفیس، نصیر الدین طوسی، قطب الدین شیرازی، ابوعبید الجوز جانی، عبدالرحمٰن، الخازنی، کمال الدین الفارسی، ابوالقاسم الزہراوی، یحییٰ المغربی، جمشید الکاش، ابوالحسن الطبری، یاقوت الحموی، ابن جبیر، ابن بطوطہ، ابن خلدون، عمر خیام، قاضی زادہ الرومی، ابن شاطر، محمد علی السمر قندی، ابوجعفر البطروجی، ابن الجزری، شریف الادریسی، ابن العوام، ابن بطلان، ابن مسکویہ اور تقی الدین اور ان جیسے سیکڑوں علماء، دانشور، تحقیق کار اور اساطین اسلامی تہذیب کے نمائندے تھے کہ آج کی ساری سائنسی ترقی اور چمک دمک جن کی کاوشوں کی رہین منت ہے۔ ان میں سے کتنے تھے جو قرآن وحدیث اور فقہ جیسے علوم کے بھی ماہر تھے کہ تب علم دین اور علم دنیا کی ثنویت قائم نہ ہوئی تھی اور یہ علماء علم دنیا بھی دینی جزبہ اور ضرورت کے تحت ہی حاصل کرتے تھے۔ غیروں کو تو چھوڑیے، آج خود مسلمانوں کی نئی نسلیں بھی ان کے نام اور کام سے واقف نہیں۔ ان اصحاب علم وفکر واختراع کے کتنے ہی کارنامے تو مغربی علماء وسائنس دانوں کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج اسلام اور سائنس میں دنیا کو تضاد نظر آتا ہے کہ روایتی علماء اسلام کے اجارہ دار بن کر رہ گئے ہیں۔ راشد شاز لکھتے ہیں:

> ''آج کسے اس بات پر یقین آئے گا کہ تہذیب کا سائنسی قالب جس کے دم سے جدید دنیا کی چمک دمک قائم ہے، ہمارے اکتشافی طرز فکر کی پیداوار ہے جس کی جڑیں کہیں اور نہیں بلکہ عین وحی ربانی کے صفحات میں پائی جاتی ہیں'' (صفحہ ۱۱)

اس باب کے اخیر میں مصنف نے ان تمام اسباب کا احاطہ بھی کیا ہے جن کے سبب اکتشافی ذہن نے عالم اسلام سے مراجعت کر لی اور اساطیری ذہن اس پر مسلط ہوگیا، جس کا نقطہ عروج یہ تھا کہ جب 1580 میں استنبول کے اندر تقی الدین کی بنائی ہوئی رصدگاہ جامد علماء کے زیر اثر خود مسلمانوں نے مسمار کر دی اور اس کے کچھ دنوں بعد 1675 میں برطانیہ میں گرین وچ کے ٹیلہ پر رصد قائم ہوئی تو گویا اس بات کا اشارہ تھی کہ اب وقت کی زمام مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا چاہتی ہے۔ اور یوں تحریک اکتشاف مغرب کو منتقل ہوگئی۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مصنف نے اکتشافی تحریک کی عالم اسلام سے مغرب کو ہجرت اور اس کے اسباب ومحرکات پر روشنی ڈالی ہے۔ قرطبہ وطلیطلہ، استنبول وصقلیہ کے ذریعہ عرب علوم کے وسیع پیانہ پر ترجموں نے یورپ والوں کے آگے علم وآگہی اور اکتشاف واختراع کی ایک نئی دنیا کے دروازے وا کر دیے اور یوں سولہویں وسترہویں صدیوں میں پورا مغرب علوم عرب کے سہارے ایک نئی دنیا کی تعمیر میں جوش وخروش سے لگ گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب عالم اسلام رجعت قہقریٰ کے باعث اساطیری اور متصوفانہ طرز فکر کا اسیر ہو چکا تھا اور تحریک اکتشاف کے غلغلے ماند پڑ چکے تھے۔ وہ علمی وفنی زوال کے ساتھ اقتصادی ابتری کا بھی شکار ہو گیا اور بالآخر اٹھارویں صدی کے آتے آتے اس کی سیاسی وعسکری قوت بھی ڈانواڈول ہو چکی تھی۔ اب مغرب نئی ٹیکنالوجی سے سرشار ہو کر مسلم دنیا کو یکے

بعد دیگرے تہ وبالا کرنے لگا اور انیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک وہ مسلم دنیا کے حصے بخرے کر چکا تھا۔ کتاب میں مصنف نے بڑی جامعیت سے نہ صرف اسلامی تہذیب کے محیر العقول کارناموں کو قاری کے سامنے مجسم کر دیا ہے بلکہ اسلامی تہذیب اور تاریخ اسلام سے متعلق مغرب کے پھیلائے ہوئے بعض مغالطّوں اور کذب بیانیوں کا ناقدانہ جائزہ بھی لیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمان ہمہ جہتی زوال سے دوچار ہو چکے تھے، مگر حقیقت تو یہ ہے کہ عثمانی ترکوں کی فوجیں تو 1782 میں ویانا کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں اور تین تین اسلامی قوتوں مغل تہذیب، صفوی ایران اور عثمانی ترکوں کا دبدبہ پوری دنیا پر قائم تھا۔ یہ الگ حقیقت ہے کہ جب اساطیری ذہن مسلم فکر پر چھا گیا اور اکتشافی ذہن نے مات کھائی تو مسلمانان عالم کے زوال کی رفتار بڑی تیز تر ہوگئی۔ بہر حال مشرق (اسلام) کا سقوط اور مغرب کا عروج ابھی دو صدیوں قبل کا سانحہ ہے۔ نشأۃ ثانیہ، تحریک اصلاح وغیرہ کی آڑ میں ۵،۶ صدیوں سے چلے آرہے مغرب کے فکری اور پھر عملی عروج کی کہانی ایک اسطورہ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس اسطورہ کے پردے میں مغرب نے ترجمہ کے نام پر مسلمان علماء کی کتابوں کے سرقے کیے، ان کی تحقیقات کو اپنے علماء کی طرف بڑی دھاندلی سے منسوب کر لیا اور یوں زور وشور سے مغربی ذہن کی برتری کا راگ الاپا گیا اور مغرب کے علاوہ جو اقوام ہیں، ان کو دوسرے درجہ کے انسان بنا دیا گیا۔ یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی ترجمہ کی تحریک میں دانش یونانی کے ترجمہ اور چربہ پیش کرنے کے سوا اور کیا کیا ہے۔ بڑے طمطراق سے دعویٰ کیا گیا کہ سائنس کو اصل فروغ اہل مغرب نے دیا ہے۔ راشد شاز لکھتے ہیں:

> ''جب تک اکتشافی علوم کے لیے ''العلوم العربیہ'' کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی، یہ تاثر عام تھا کہ سائنسی تہذیب کا عربوں یا مسلمانوں سے رشتہ گہرا ہے البتہ جب اکتشافی علماء کے لیے سائنٹسٹ یا سائنس داں کی اصطلاح چل نکلی تو ہمارے لیے یہ یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ ہماری فکر وتہذیب سے اس نئی مخلوق سائنٹسٹ کا بھی کبھی کوئی تعلق رہا ہے''۔ (صفحہ ۱۱)

کتاب العروج میں اس پوری بحث کو دلچسپ جامع اور مختصر انداز میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ کتاب کے شروع میں ظہور نبوت محمدی کے نتیجہ میں ہمہ گیر اسلامی انقلاب اور دنیا کے اوپر اس کے خوشگوار تہذیبی وتمدنی اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ بیان مختصر مگر جامع بھی ہے۔ فکر انگیز اور انبساط بخشنے والا ہے مگر اس پر ہیرو ورشپ کا ذرا بھی گمان نہیں ہوتا۔ راشد شاز کی ناقدانہ بصیرت قاری کو اس گمراہی میں پڑنے سے روکتی رہتی ہے اور طربناک ماضی کی جھلکیاں دکھانے کے ساتھ ہی وہ قدم قدم پر اس کو اپنے تاریک حال اور اس کے اسباب سے روشناس کراتی اور کچوکے لگاتی رہتی ہے۔ ان کی رائے اس بارے میں یہ ہے:

> ''قرآن مجید تو آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے لیکن تقدیس وتکریم کے لبادے میں ہم نے اس کی معطّلی کا پختہ انتظام کر رکھا ہے، ہمارے اردگرد مذہبی زندگی کی بساط کچھ اس طرح سجائی گئی ہے کہ اس نے

عملاً مذہب کے لبادے میں دین کی نفی اور قرآن کے انکار کا ماحول قائم کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی زندگی کی چہل پہل اور تجدید واصلاح کے فلک شگاف نعروں کے باوجود ہم پر ایک نئی صبح طلوع نہیں ہوتی''۔ (صفحہ ۲۱)

زیر نظر ''کتاب العروج'' (ایک جلد اور دو حصوں پر مشتمل) کے پہلے باب میں راشد شاز نے ایک الہامی جملہ لکھا ہے کہ ''خدا کا تجربہ اگر خلاقانہ ہو تو وہ انسان کو تسخیر کائنات کے فریضہ پر آمادہ کرتا ہے، اور اگر مقلدانہ ہو تو انسانی ذہن وجدنا آباء نا کذلک یفعلون کے پیدا کردہ توہمات کا شکار ہو جاتا ہے اور یہی تجربہ اگر تکبر وغرور کے آمیزہ سے تشکیل پائے تو بغاوت وسرکشی کو جنم دیتا ہے''۔ چنانچہ قرون اولیٰ کی مسلمان نسلوں کو اگر پہلے کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے تو دور زوال کے مسلم معاشرے دوسرے رویہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور آج کا ترقی یافتہ لبرل مغرب ٹھیٹھ تیسرے رویہ کا ترجمان بنا ہوا ہے۔

کتاب اپنے بیش قیمت مندرجات کی طرح ظاہر حسن سے بھی آراستہ ہے اور اعلیٰ درجہ کی کتابت وطباعت سے مزین ہے۔ کتاب کا مصور اور رنگین ہونا بھی قاری کے اندر اعتماد پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین اس پوری کتاب کو سانس روکے اور مسلسل نشستوں میں پڑھتے چلے جائیں گے اور نئے نئے انکشافات اور تاریخی حقائق سے دوچار ہوں گے۔ توقع ہے کہ کتاب پڑھنے والوں کے دل میں جہاں امید کی نئی جوت جگائے گی، وہیں ان کو انقلابی شعور اور ولولہ انگیز نشاط وعمل کی کیفیت سے آشنا کرے گی۔

300 سے زاید صفحات پر مشتمل یہ کتاب ملی پبلی کیشنز، ملی ٹائمز بلڈنگ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی 110025 نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت پانچ سو روپے ہے۔

سہ ماہی جی لاہور

کا تازہ شمارہ منظر عام پر آ گیا ہے

مدیر: محمد دین جوہر - نائب مدیر: نادر عقیل انصاری

مشمولات: O دین حق کی جدید تعبیرات (محمد دین جوہر) O معجزات (مولانا اشرف علی تھانوی)

O عہد رسالت میں بائبل کا عربی ترجمہ (نادر عقیل انصاری) O مقصود کائنات (مولانا ایوب دہلوی)

O اسباق (جناب احمد جاوید)

صفحات: ۱۵۰۔ قیمت: ۱۲۰ روپے

(مکتبہ امام اہل سنت پر دستیاب ہے)